اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۳، مسلسل شمارہ:۳۷۳، سال ۲۰۲۴ء

خلقِ خدا کے راج کی آرزو

وَ یَبْقیٰ وَجہُ رَبِّکَ (ہم دیکھیں گے) کا تجزیاتی مطالعہ

ساجد صدیق نظامی، پی ایچ ڈی

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو

ادارہ زبان وادبیاتِ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

LONGING OF THE RULE BY THE SUBALTERNS
An ANALYTICAL STUDY OF "WA YABAQ WAJHU RABBIKA"

Sajid Siddique Nizami, PhD
Assistant Professor of Urdu
IULL, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Faiz Ahmad Faiz is a very well-known progressive poet of our recent past history. He raised his voices in the favor of oppressed classes all through his age. Many poems can be recalled in this regard. *Wa Yabqa Wajhu Rabbika* is a very famous poem of him. Faiz predicts in this poem about the future and gives hope to the masses that the promised day is very near when the masses will rule himself and the merciless and unkind regime will be razed. This article firstly discusses the background in which this poem was written and then presents a detailed analytical study.

Keywords:
Faiz Ahmad Faiz, Poetry, *Wa Yabqa Wajhu Rabbika*, Hum Dekhen Ge, Revolution

متن: ہم دیکھیں گے / لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے / وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے / جو لوحِ ازل میں لکھا ہے / جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں / روئی کی طرح اُڑ جائیں گے / ہم محکوموں کے پاؤں تلے / جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی / اور اہلِ حکَم کے سر اوپر / جب بجلی کَڑ کَڑ کَڑکے گی / جب ارضِ خدا کے کعبے سے / سب بُت اُٹھوائے جائیں گے / ہم اہلِ صَفا، مَردُودِ حَرَم / مَسنَد پہ بٹھائے جائیں گے / سب تاج اُچھالے جائیں گے / سب تخت گرائے جائیں گے / بَس نام رہے گا اللہ کا / جو غائب بھی ہے حاضر بھی / جو منظر بھی ہے ناظر بھی / اٹھے گا اَنا الحَق کا نعرہ / جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو / اور راج کرے گی خلقِ خدا / جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو (تفہیمِ لغات مضمون کے اختتام پر ملاحظہ ہو)

یوں تو فیض احمد فیض کی شاعری کے بہت سے حصے ایسے ہیں جنھیں ایک عرصے سے قبولِ عام کی سند حاصل ہے لیکن فیض کی یہ نظم خاص طور پر متعدد وجوہات کی بنا پر فیض کے نمائندہ ترین کلام میں شامل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ نظم ایک طرح سے فیض کا چہرہ بن چکی ہے۔ اردو بولنے یا سمجھنے والے جہاں بھی ہوں، مزاحمتی اور احتجاجی جلسوں میں اس نظم کو بالضرور گا کر پڑھا جاتا ہے اور جذبے کی جاوداں لَو حاصل کی جاتی ہے۔ اس مضمون میں اسی نظم کا تفصیلی تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ نیز اس سے قبل اس نظم کی تخلیق کے پس منظر پر بھی مفصل اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

یہ نظم فیض کے ساتویں مجموعۂ کلام مرے دل مرے مسافر میں شامل ہے، جو ۱۹۸۱ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ فیض کا یہ مجموعۂ کلام ان کے اپنے قلم سے لکھا ہوا افتخار عارف کے پاس موجود ہے اور اب اس کا عکس شائع بھی ہو چکا ہے۔(۱) یہ نظم مرے دل مرے مسافر کی پہلی اشاعت میں بھی اور فیض کے اپنے قلم سے لکھے گئے مجموعے میں بھی شمار میں چھٹے نمبر پر شامل کی گئی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں جب لندن سے فیض کی کلیات سارے سخن ہمارے کے عنوان سے شائع ہوئی تو یہ نظم اس میں بھی اسی ترتیب سے شامل ہوئی۔(۲)

دل چسپ حقیقت یہ ہے کہ جب ۱۹۸۴ء میں لاہور سے فیض کی کلیات نسخہ ہائے وفا کے عنوان سے شائع ہوئی تو یہ نظم ہی کلیات میں شامل نہیں تھی۔(۳) شاید ناشر کی احتیاط و عملیت پسندی آڑے آئی ہو گی اور اس وقت کی فوجی حکومت کے جبر سے بچنے کے لیے فیض سے اس نظم کو نکال دینے کا کہا ہو گا۔ فیض مرنجاں مرنج شخصیت تھے، انھیں اقرار کرتے بنی ہو گی۔[یہی قصہ اس کلیات میں سروادیِ

سینا میں شامل اسی عنوان سے موجود نظم کی بعض سطور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔] (۴) نسخہ ہائے وفا کی چند شروع کے برسوں کی اشاعتوں کے بعد اس نظم کو مرے دل مرے مسافر کے اختتام پر دو پنجابی منظومات سے قبل پھر سے شائع کیا جانے لگا لیکن اس میں سے دو سطریں (اٹھے گا انا الحق کا نعرہ / جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو) حذف کر دی گئیں۔ نسخہ ہائے وفا کی اب تک کی اشاعتوں میں یہ نظم مذکورہ بالا دو سطروں کے بغیر ہی شائع ہوتی آ رہی ہے۔ (۵) حال ہی میں ۲۰۱۹ء میں نعمان الحق کی مدوّنہ کلیات فیض شائع ہوئی ہے تو اس میں بھی یہ شتر گربگی موجود ہے۔ (۶)

نظم کے مطالعے سے قبل اس کی تخلیق کے پس منظر سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ فیض کی یہ نظم جنوری ۱۹۷۹ء میں لکھی گئی جب فیض امریکہ میں تھے۔ یہ اُن ایام کے آغاز کا زمانہ ہے جب فیض تقریباً چار برس کے لیے پاکستان سے باہر رہے تھے۔ اب اس امر کا سراغ لگانا مشکل ہے کہ ایسا جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے احکامات پر ہوا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ فوجی حکومت کے آنے کے بعد سے فیض کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ (۷) البتہ انھیں ہراساں کرنے یا محبوس کرنے کی کوشش کا ثبوت نہیں ملتا۔ گمانِ غالب ہے کہ فیض نے ملک کے مجموعی حالات کو دیکھتے ہوئے اور وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے خود ہی کچھ برسوں کے لیے منظر سے دُور ہو جانا مناسب سمجھا ہو۔

فیض اس سے قبل بھی قید و بند کا تجربہ رکھتے تھے۔ (۸) دوبارہ اس عمل سے گزرنا اگرچہ ان کے لیے پریشان کن نہ تھا لیکن اب وہ کبر سِن ہو چکے تھے۔ نیز اس فوجی حکومت میں ایک طرف تو سابق وزیرِ اعظم، ذوالفقار علی بھٹو کو منظر سے مستقلاً ہٹانے کی کوششیں ہو رہی تھیں، جن کے دورِ اقتدار میں فیض احمد فیض ایک عرصے تک پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے سربراہ رہے تھے۔ دوسری جانب ریاستی ڈھانچے کی جانب سے مذہبِ اسلام کی یک رُخی اور من مانی تعبیرات کے نفاذ کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ ان چند در چند وجوہات نے فیض کو ملک سے باہر جانے پر ضرور مجبور کیا ہو گا۔

اس طرح اس نظم کے پس منظر میں متعدد امور جمع ہو گئے ہیں۔ ایک جانب کچھ فوری اور معاصر سیاسی واقعات تھے تو دوسری جانب فیض کی عمر بھر کی جدوجہد اور آدرش کا طویل سفر تھا۔ کسے نہیں معلوم کہ فیض فلسفۂ اشتراکیت سے نہ صرف گہرے طور پر متاثر تھے بلکہ عمل کی دنیا میں بھی کچھ پیچھے نہیں رہے تھے۔ ان کی رسمی و غیر رسمی گفتگوؤں کی روداد پڑھی جائے یا ان کے افکار و خیالات کا مطالعہ کیا جائے تو صاف

معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر وہ طبقاتی نظام کے مخالف رہے نیز محکومین اور استحصال کا شکار طبقوں کے حق میں آواز بلند کرتے رہے۔ گو کہ ان کی طبیعت میں بلند بانگ انداز میں آواز اٹھانا نہیں تھا اور نہ ہی پُر جوش سیاسی کارکنوں کے انداز میں نعرہ بازی اور ہنگامہ آرائی کا سہارا لے کر خیالات و افکار کی تبلیغ کا مزاج تھا۔ اس کے باوجود وہ نفاست اور توازن کو بر قرار رکھتے ہوئے اپنی دُھن میں مگن شخص تھے اور کوئی بڑا سے بڑا واقعہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہیں کر سکا تھا۔[راولپنڈی سازش کیس اور اس سے جڑے واقعات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔]

اصل میں اس نظم کی تخلیق کا فوری سبب انقلابِ ایران کا فیصلہ کن موڑ پر آ پہنچنا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے اواخر میں ایران کی سیاسی فضا میں بے چینی اور بے اطمینانی کی فضا پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ۱۹۷۸ء میں ہر گزرتے دن کے ساتھ صورتِ حال مزید ابتر ہوتی گئی۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے جوابی کارروائیوں کے نتیجے میں متعدد افراد ہلاک ہونے لگے اور مظاہرے پُر تشدد ہوتے گئے۔ ۸ ستمبر ۱۹۷۸ء کو تہران اور گیارہ دیگر بڑے شہروں میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ نومبر میں فوجی حکومت قائم کر دی گئی لیکن حالات قابو سے باہر ہوتے گئے۔ بالآخر ۱۶ جنوری ۱۹۷۹ء کو حالات کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے محمد رضا شاہ، شہنشاہِ ایران ملک چھوڑ کر مصر روانہ ہو گئے۔ (۹)

یہ نظم بھی جنوری ۱۹۷۹ء ہی میں لکھی گئی ہے۔ ایران، اس زمانے میں نہ صرف شرقِ اوسط بلکہ ایشیا بھر میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سب سے نمایاں اتحادی تھا۔ امریکہ سے فوجی امداد حاصل کرنے والے ایشیائی ممالک میں سرِ فہرست تھا۔ ایران کی خام تیل کی پیداوار اور ترسیل تمام تر امریکہ کے رحم و کرم پر تھی۔ محمد رضا شاہ کی شکست ایک طرح سے اس خطے میں امریکہ کی شکست تصور کی گئی۔ امریکہ سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بڑا نمائندہ تب بھی تھا اور اب بھی ہے۔ جدوجہد اور سیاسی تحرّک کے علم برداروں کے لیے نیز اشتراکی فلسفے کے ماننے والوں کے لیے انقلابِ ایران کا کامیاب ہو جانا بہت بڑی خوشی کی خبر تھی۔ فیض ایرانی طلبا کے لیے پہلے بھی ایک نظم ایرانی طلبہ کے نام کے عنوان سے لکھ چکے تھے، جو ان کے مجموعۂ کلام دستِ صبا میں شامل بھی ہے۔ (۱۰)

اسی پس منظر کی توثیق کرتے ہوئے نظم کی تخلیق کے حوالے سے آغا ناصر لکھتے ہیں کہ ۱۹۷۹ء کے موسم گرما میں جب وہ لندن میں فیض سے ملے تو انھوں نے آغا ناصر کو دو نظمیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیں کہ پاکستان میں دوستوں میں تقسیم کر دینا۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

> فیض صاحب مجھے اپنے کمرے میں لے گئے اور ڈیسک کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگے۔ جب انھوں نے یہ کام ختم کر لیا تو ایک کاغذ پر لکھی ہوئی دو نظمیں مجھے عنایت کیں اور کہا: پاکستان لے جاؤ اور دوستوں میں تقسیم کر دینا۔ ان میں ایک نظم ہم نے ایران کے انقلاب پر لکھی ہے۔ نظم کا عنوان تھا: ویبقیٰ باسم ربک۔ بعد میں انھوں نے اس کا عنوان تبدیل کر کے ویبقیٰ وجہ ربک کر دیا تھا۔ امام خمینی کی واپسی اور انقلابِ ایران کو ابھی چند ماہ کا عرصہ ہی ہوا تھا۔ میں نے سوال کیا، فیض صاحب ایران کا انقلاب تو اسلامی انقلاب ہے۔ پھر آپ نے اس پر نظم کیوں لکھی۔ بولے: بھئی انقلاب اسلامی اور غیر اسلامی نہیں ہوا کرتے۔ جب لوگ تخت و تاج کو الٹنے اور بادشاہی کو تاراج کرنے کے لیے سڑکوں اور گلیوں میں نکل آئیں تو پھر یہ عوامی انقلاب بن جاتا ہے۔۔۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد فیض صاحب سے ایک شاعر صحافی مرحوم حسن رضا نے انٹرویو کرتے ہوئے دریافت کیا تھا کہ ایرانی انقلاب کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ فیض صاحب نے جواب دیا تھا: یہ اپنی قسم کا بڑا انقلاب ہے۔ انقلابِ فرانس کے بعد اس قسم کا انقلاب دنیا میں نہیں آیا۔ روس، چین، ویت نام وغیرہ کے انقلابوں میں طرفین کی فوجوں کے درمیان جنگ تھی۔ ایران میں براہِ راست عوام کی فوج اور حکومتی اداروں سے لڑائی ہوئی ہے۔ یہاں پر عوام نے فوج کو ہرایا ہے۔(۱۱)

ایک جانب یہ نظم کی فوری تخلیق کا یہ پس منظر اور دوسری جانب فیض کے اپنے وطن کے سیاسی حالات کی ناگفتہ بہ حالت۔ پاکستان میں ایک شب خون کے نتیجے میں فوجی حکومت اپنا تسلط قائم کر چکی تھی۔ بیشتر سیاسی قائدین پابندِ سلاسل تھے۔ وزیرِ اعظم پاکستان کی گردن پر پھانسی کا پھندا منڈلا رہا تھا۔ آزادیِ اظہارِ رائے پر شدید پابندیاں عائد تھیں۔ عوام مقہور و مجبور ہو کر یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں اس نظم کی تخلیق نے ایک طرح سے ان کے منہ میں زبان رکھ دی اور یہ نظم آن کی آن میں لاکھوں کروڑوں دلوں کی ترجمان ہو گئی۔

۱۹۸۶ء میں الحمرا آرٹس کونسل، لاہور میں فیض فاؤنڈیشن کے اہتمام سے ہونے والی ایک تقریب میں اقبال بانو نے جب اس نظم کو ہزاروں کے مجمعے کے سامنے گایا تو گویا عام آدمی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ [منیزہ ہاشمی کے بقول یہ تاثر درست نہیں ہے کہ اس روز اقبال بانو نے ضیاء الحق حکومت کی جانب سے خواتین کے لباس پر عائد غیر اعلانیہ پابندیوں کے خلاف بطور احتجاج، ساری پہن کر یہ نظم گائی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ اقبال بانو نے ہمیشہ ساری ہی پہنی۔ انھیں کوئی اور لباس خوش نہیں آتا تھا۔] (۱۲) اس نظم کی دُھن پروفیسر اسرار احمد (استاذِ طبیعیات، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور) کی تیار کردہ تھی اور فوری طور پر اسی تقریب کے موقعے پر ہی تیار کی گئی تھی۔ (۱۳)

حالیہ ماضی میں ہندوستان میں جب کبھی جبر اور قہر کے ذریعے کچھ منوانے کی کوششیں کی گئیں ہیں تو اس عمل کے خلاف احتجاج اور مزاحمت کرنے والوں کے لیے بھی یہ نظم، فیض کی دیگر نظموں کے ساتھ جدوجہد کا استعارہ بن کر سامنے آئی ہے۔ خاص کر ۲۰۱۹ء میں لوک سبھا میں شہریت ترمیمی بل Citizenship Amendment Act پیش کیے جانے کے بعد جس سیاسی تلاطم کا سامنا وہاں کی حکومت کو کرنا پڑا، اس میں اس نظم کی پڑھت بھی بہت نمایاں رہی۔ (۱۴)

فیض کی شعری کائنات کا خمیر بنیادی طور پر ہند اسلامی تہذیب ہی سے اٹھا ہے۔ فیض کی زبان، ذخیرۂ لفظی، تراکیب، تلمیحات، سر تا سر اسی تہذیب میں رنگی ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں عربی۔فارسی رنگ زیادہ نمایاں ہو گیا ہے۔ اس امر کی شاید سب سے بنیادی وجہ فیض کی لڑکپن کے زمانے کی تربیت ہے۔ جب ایک جانب انھیں اپنے والد کے پاس مسلسل بیٹھنے اور ان کے لکھنے کے مواقع میسر آتے رہے۔ ان صحبتوں میں انھیں لسانی، علمی اور ادبی مسائل و نکات سے بالواسطہ تعلق رہا۔ اور دوسری جانب رسمی و غیر رسمی تعلیم کے دوران سیالکوٹ میں مولوی میر حسن، مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی اور یوسف سلیم چشتی جیسے اساتذہ سے پڑھنے کا موقع ملا۔ (۱۵) انگریزی زبان و ادب میں درجۂ فضیلت حاصل کر لینے کے باوجود فیض کے فن پر انگریزی و یورپی اثرات نظر نہیں آتے۔ (یہ ضرور ہے کہ فیض کی نظموں میں ہیئتی تنوع پر یہ اثرات ضرور دیکھے جا سکتے ہیں۔)

اس دور کے نظم گو شعرا میں بالعموم اور ترقی پسند شعرا میں بالخصوص، تصوف سے مستعار علامات کے ذریعے اپنا ما فی الضمیر ادا کرنے کی منفرد کاوش فیض ہی کے ہاں نظر آتی ہے۔ فیض ان علامتوں کو اپنی

جدوجہد کا استعارہ بھی بناتے ہیں اور دوسری جانب ان کی علامتوں معنوی جہات میں بھی گہرائی پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اور صوفیا سے خاص 'انا الحق' جیسا استعارہ بھی فیض کے ہاں آکر کثیر ابعادی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ 'ناظر' اور 'منظر' جیسی اصطلاحات اس نظم میں آکر مظلوموں اور محکوموں کی طرف دار ہو جاتی ہیں۔

دوسری جانب اردو کی کلاسیکی غزل سے خاص علائم 'بُت'، 'کعبہ'، 'حرم'، 'تاج' کا استعمال اس نظم میں کلاسیکی آہنگ پیدا کرتا نظر آتا ہے۔ اسی طرح قرآنی تلمیحات اور مناظر کا اثر بھی اس نظم کی بُنت میں نہایت گہرے طور پر ملتا ہے۔

اس نظم کا عنوان قرآن مجید کی سورۂ رحمٰن کی آیت **و یبقی وجه ربک ذوالجلال و الاکرام** (ترجمہ: اور تمھارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحبِ جلال وعظمت ہے، باقی رہے گی۔ سورۂ رحمٰن، آیت ۲۷) (۱۶) سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس سے پچھلی آیت كُلُّ مَن عَلَيها فان (ترجمہ: جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔ سورۂ رحمٰن، آیت ۲۶) کو اس آیت سے ملا کر پڑھنے سے دونوں آیات کا پورا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ سورۂ رحمٰن کی اس آیت سے اس نظم کا عنوان اخذ کرنا اس نظم کے مرکزی خیال کو مزید بامعنی بنا دیتا ہے۔

نظم کا آغاز ہی لہجے کے تیقّن سے ہوتا ہے۔ پہلی دو سطور 'ہم دیکھیں گے / لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے' ایک طرف شاعر کے تیقن سے بھرپور ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور دوسری جانب پڑھنے والوں کو بھی اعتماد اور حوصلہ فراہم کرتی ہیں۔ اس قدر امید سے بھرا اور پُراعتماد آغاز نظم کے باقی مزاج کا رخ متعین کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ 'وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے' میں بظاہر تو اس دن کا ذکر ہے جسے قرآنِ مجید میں کہیں یومِ موعود کے نام سے، کہیں یومُ الدّین کے نام سے پُکارا گیا ہے۔ (وَالْيومِ الْمَوعُود۔ ترجمہ: اور قسم اُس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ سورۂ البُروج، آیت ۲) لیکن یہاں فیض نے وعدہ کیے گئے دن کا مفہوم قرآن سے اخذ کیا ہے لیکن اسے دُنیا کے طبقاتی بنیادوں پر قائم، جابر نظامِ حکمرانی کے خاتمے کے دن پر منطبق کیا ہے۔ گویا جس طرح روزِ محشر سب مجرموں کو کٹہرے میں لایا جائے گا اور ان کے برے اعمال کی سزا ان کو دی جائے گی، اسی طرح ہم بھی اپنی زندگی میں ایک دن ایسا دیکھیں گے جب ظلم و ستم پر مبنی اس نظام کی صف لپٹتی دکھائی دے گی۔

فیض محکوموں، مجبوروں، مظلوموں، مقہوروں کے تمام طبقوں کو یقین دلاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور بتاتے ہیں جس امر کو ہو تا ہوا ہم دیکھیں گے، وہ اصل میں پہلے ہی سے 'لوحِ ازل' میں لکھا جا چکا ہے۔ 'لوحِ ازل' پر کائنات کے جملہ امور کی قسمت طے کر دی گئی ہے۔ اس نظم میں 'لوحِ ازل' بھی قرآنی تلمیح کے طور پر استعمال ہوتی نظر آتی ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ البروج میں 'لوحِ محفوظ' کا ذکر یوں آیا ہے: بَل هُوَ قُرانٌ مَجِید۔ فِی لَوحٍ مَحفُوظٌ۔ (ترجمہ: بلکہ یہ وہ قرآن مجید ہے جو جو لوح محفوظ میں ہے۔ سورۂ البروج، آیت ۲۲-۲۱)

فیض نے یہاں 'لوحِ محفوظ' کے مفہوم میں قدرے توسیع کر کے اسے 'لوحِ ازل' سے بدل دیا ہے، جس سے اس معنویت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ فیض کے نزدیک اس لوح پر جہاں دنیا کے دیگر امور کی تقدیر لکھ دی گئی ہے، وہیں اس امر کو بھی فیصل کر دیا ہے کہ ظلم و جبر پر مبنی نظام کبھی مستقل بر قرار نہیں رہ پائے گا۔ اس کی بنیاد میں موجود ناانصافی، عدم مساوات جیسی سماج دشمن روایات رفتہ رفتہ اسے شکست و ریخت سے دوچار کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اسے ایک دن ختم ہونا ہی ہے۔

یہاں فیض نے شاعرانہ محاسن سے کام لیتے ہوئے ظلم و ستم کے 'کوہِ گراں' کو 'روئی کی طرح اڑ جانے' کا منظر دکھایا ہے۔ یہ منظر بذاتِ خود دو قسم کی جہتیں رکھتا ہے۔ ایک طرف یہ منظر قرآنِ مجید میں مذکور قیامت کے مناظر میں سے ایک سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ (یَومَ یَکُونُ النَاسُ کالفَراشِ المَبثُوث، وَ تَکُونُ الجِبالُ کَالعِهنِ المَنفُوش۔ ترجمہ: (وہ قیامت ہے) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دُھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اُون۔ سورۂ القارعہ، آیت ۵-۴) اپنی دوسری جہت میں اس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ جب مظلوم طبقات ایک جان ہو کر قاہر نظام کے خلاف نکلتے ہیں تو ان کی یک جائی بظاہر بہت مستحکم دِکھنے والے اس نظام کو روئی کے گالوں کی طرح اڑا دیتی ہے۔ فیض کی ایک غزل میں بھی 'کوہِ گراں' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے: 'جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے'۔

نظم کے اگلے حصے میں نظم کا تاثر اپنے عروج کی جانب جانا شروع ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محض چار ہی سطریں 'ہم محکوموں کے پاؤں تلے / جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی / اور اہلِ حَکَم کے سر اوپر /

جب بجلی کڑ کڑ کڑ کے گی‘ کس طرح آناً فاناً نظم کے تاثر کو فوری عروج پر لے جانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ نیز ان سطور میں پائی جانے والی صوتی اشاریت نظم کے تاثر کو مزید گہرا کرتی ہیں۔ دوسری اور چوتھی سطر بالخصوص اپنی صوتی اشاریت کے سبب سننے اور پڑھنے والوں میں ولولہ اور جذبہ پیدا کرتی ہیں۔

ان سطور کو با آوازِ بلند پڑھنے سے ان کا تاثر زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ’دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی‘ سے بہت سے قدموں کے ایک ساتھ ایک آہنگ میں آگے بڑھنے سے زمین کے لرزنے کی کیفیت پیدا ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ فیض کا کمال ہے کہ ایک سطر میں ’دھ‘ کی آواز چار مرتبہ دہرانے کے باوجود بھی صوتی تنافر پیدا ہوتا محسوس نہیں ہوتا ہے۔ نیز صنعتِ تجنیس کی جلوہ گری اپنی جگہ خوبصورتی پیدا کر رہی ہے۔ ’جب بجلی کڑ کڑ کڑ کے گی‘ میں بھی یہی منظر ملتا ہے۔ بجلی کے کڑکنے کے صوتی تاثر کو بغیر کسی تکلف کے ’کڑ کڑ‘ کی تکرار سے متشکل کر دیا ہے۔ اسی طرح ’محکوموں کے پاؤں تلے‘ اور ’اہلِ حَکَم کے سر اوپر‘ میں صنعتِ تضاد کی خوبصورتی کو بین السطور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اہلِ حَکَم کا لغوی معنی تو اہلِ حِکمت کا ہے لیکن یہاں مراد اہلِ اقتدار ہیں۔

اگلی چھ سطور پیچھے بیان کیے گئے منظر کے منطقی نتیجے کا پہلا رُخ دکھاتی نظر آتی ہیں۔ ’جب ارضِ خدا کے کعبے سے / سب بُت اٹھوائے جائیں گے / ہم اہلِ صفا، مردودِ حَرَم / مسند پہ بٹھائے جائیں گے / سب تاج اچھالے جائیں گے / سب تخت گرائے جائیں گے‘ میں اک مرتبہ پھر قرآنی اور اسلامی حوالے نظر آتے ہیں۔ زمین کا انتساب خدا کی جانب کرنا (قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا مالک اللہ ہے۔) ،کعبے کو بُتوں سے پاک کرنا (فتحِ مکہ کے بعد حضرت محمد ﷺ کا اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کرنے کا حکم دینا)، حرم کی علامت کا استعمال اپنی جگہ مذہبی پس منظر کی حامل تلمیحات اور علائم ہیں۔

یہاں فیض پوری زمین ہی کو کعبہ قرار دیتے ہوئے نظیر پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اصل کعبہ پتھر اور مٹی کے بتوں سے بھر دیا گیا تھا، اسی طرح رُوئے ارض بھی جگہ جگہ مختلف اقسام کے بتوں سے بھر گئی ہے۔ ان بُتوں میں اقتدار کے بت ہیں، جبر کے بت ہیں، ظلم کے بت ہیں، طبقات کے بت ہیں، خواہشات کے بت ہیں، غرض لاتعداد قسم کے بتوں نے اس زمین پر جگہ بنا رکھی ہے۔

'ہم اہلِ صفا، مردودِ حرم' میں فیض اس سارے نظام کی صف لپیٹنے والوں کی تحسین کرتے نظر آتے ہیں کہ بظاہر ان لوگوں کو نظامِ زر اور اشرافی نظام کے قائم کرنے والوں کی طرف سے مردود قرار دے دیا گیا ہے لیکن اصل میں یہی لوگ اہلِ صفا میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں، جن کے باطن ان آلائشوں سے بھرے ہوئے نہیں ہیں جو جابر نظام کے قائم کرنے والوں کے سینوں میں بھری ہوئی ہیں۔ ان سطور میں صفا، حرم کے الفاظ اوپر کی سطور میں خدا، کعبے اور بت سے مناسبات کا سلسلہ قائم کرتے نظر آتے ہیں۔ اگلی سطر 'سب تاج اُچھالے جائیں گے' میں جہاں ایک طرف جبروت و سطوت کا زوال دکھایا گیا ہے وہیں 'اچھالنے' کا لفظ استعمال کر کے سطوت و شوکت کی اس علامت کی اہانت و تحقیر کا پہلو بھی پیدا کیا گیا ہے۔ فیض اس نظم کی تخلیق سے تیس پینتیس برس پہلے بھی اسی طرح کا خیال دستِ صبا میں شامل غزل نما نظم 'ترانہ' میں پیش کر چکے تھے:

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے جب تاج اچھالے جائیں گے

نظم کی اگلی تین سطریں نظم کے عروج پر پہنچتے ہوئے تاثر کو ٹھہراؤ کی کیفیت میں بدل رہی ہیں۔ 'بس نام رہے گا اللہ کا / جو غائب بھی ہے حاضر بھی / جو منظر بھی ہے ناظر بھی' میں بتایا جا رہا ہے کہ اس فانی ہو جانے والی کائنات میں صرف ایک ذات ایسی ہے جو باقی رہ جائے گی اور وہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے۔ یہ ذات جملہ صفات کی جامع ہے۔ جو غائب ہوتے ہوئے حاضر ہے، اور اُوپر بیان کیے گئے مناظر کی براہِ راست ناظر ہے، نیز ناظر ہوتے ہوئے منظر بھی ہے۔ 'بس نام رہے گا اللہ کا' ایک طرح سے اس نظم کے عنوان ہی کا ترجمہ ہے۔ اس پہلو پر اوپر کی سطور میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

نظم کا آخری حصہ ایک مرتبہ پھر تاثر کو عروج پر لے جاتا ہے۔ 'اٹھے گا انا الحق کا نعرہ / جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو / اور راج کرے گی خلقِ خدا / جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو' میں جذبے کا لحن بلند ہوتا ہوا عروج کو پہنچ رہا ہے اور اسی بلند آہنگ تاثر کے ساتھ ہی نظم ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں فیض کی زندگی بھر کی سیاسی شراکت داری، اشتراکی حسیت اور طبقاتی نظام سے بغاوت، اِن چار سطور میں سمٹ گئی ہے۔ اس نظم سے پہلے بھی فیض انقلاب، آدرش اور جدوجہد پر بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن کسی جگہ پر اتنے کھُلے انداز میں انھوں نے خلقِ خدا (Masses) کے راج کرنے کا نعرہ نہیں لگایا تھا۔ اس نظم میں خاص طور پر ان کے

دبی دبی جذباتیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ نیز یہاں فیض 'انا الحق' کو بطور تلمیح استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے لغوی مفہوم میں خلقِ خدا کی حیثیت کے منوائے جانے کے استعارے کے طور پر لاتے ہیں۔

[اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے کہ نسخہ ہائے وفا کی اب تک کی اشاعتوں میں اس نظم میں 'اٹھے گا انا الحق کا نعرہ / جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو' کی سطور نظم کا حصہ نہیں بن سکی ہیں۔ نسخہ ہائے وفا کی اولین اشاعتوں میں تو یہ نظم ہی شائع نہیں کی جاتی تھی۔ بعد کو یہ نظم نسخہ ہائے وفا کا حصہ تو بنی لیکن مندرجہ بالا دو سطریں ابھی تک اس نظم کا حصہ نہیں بن سکی ہیں۔]

مجموعی طور پر یہ نظم فیض کے کلام کے نمائندہ ترین حصے کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اس نظم کی بُنت اور تقریباً ہر سطر میں فنّی محاسن کے سبب اس کی معنویت میں کئی گُنا اضافہ ہو گیا ہے۔ بیشتر مقامات پر قرآنی تلمیحات نے نظم کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ ممکن ہے قرآنی تلمیحات کے اس وافر استعمال کے پیچھے یہ خیال بھی کار فرما ہو کہ اشتراکی فلسفے کو مذہب سے متصادم ماننے والے اس نکتے کو جان لیں کہ یہ دونوں باہم متقابل نہیں ہیں۔ ایک جانب یہ نظم اس مستقل آویزش کی بھی خبر دیتی ہے جو محکوم اور حاکم طبقات کے درمیان شاید ابد تک جاری رہے گی۔ دوسری جانب یہ نظم، امید کا ایک جاندار اور آفاقی پیغام ہے۔ پسے ہوئے طبقات کے لیے جاں فزا نوید ہے۔ مستقبل کا ایک روشن نظارا ہے۔ اسی باعث یہ نظم کسی بھی زمانے کے لیے پُرانی نہیں ہو گی۔

ذیل میں فیض کے قلم سے لکھی اس نظم کا متن ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

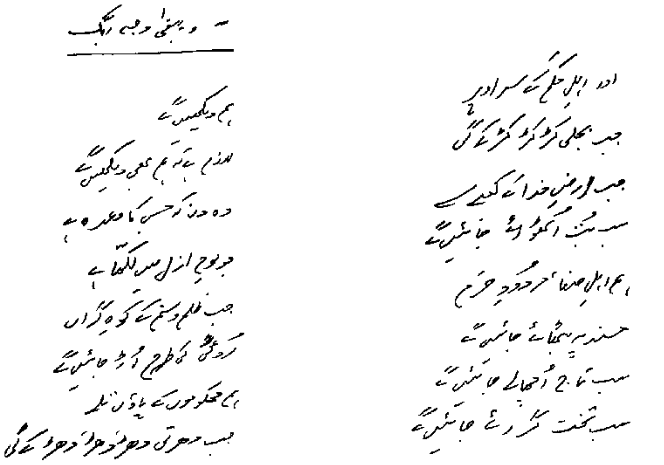
— و یبقیٰ وجہ ربک

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوحِ ازل میں لکھا ہے
جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
اور اہلِ حکم کے سر اوپر
جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی
جب ارضِ خدا کے کعبے سے
سب بت اٹھوائے جائیں گے
ہم اہلِ صفا مردودِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے
سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے

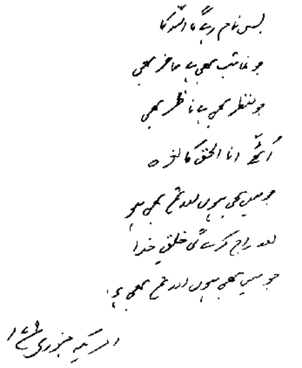

(عکس: افتخار عارف۔ کلام فیض بخط فیض: مرے دل مرے مسافر، اصل بیاض)

تفہیمِ لغات:

لوح: تختی۔ لوحِ ازل: تصور ہے کہ ایک تختی پر کُل عالَم کا احوال لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق کارخانۂ دنیا چلتا ہے۔ تقدیر یا قسمت بھی مراد ہے۔

کوہ: پہاڑ۔ گراں: وزنی، بہت بھاری۔

کوہِ گراں: مہیب پہاڑ۔ پہاڑ اگرچہ اپنی ماہیت میں نہایت وزنی چیز ہے لیکن مبالغے کی خاطر فیض نے اس میں گراں کا اضافہ کر دیا ہے۔ فیض کی ایک غزل میں بھی یہ ترکیب استعمال ہوئی ہے: 'جورُ کے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے'۔

محکوم: حکم کے تابع، مجبورِ محض۔ عام آدمی، عوام۔

اہلِ حَکَم: لغوی معنی اہلِ حکمت، جنھیں دانائی عطا ہوئی ہو۔ مجازاً اہلِ اقتدار۔

اہلِ صفا: صاف باطن افراد، ریاکاری سے دور۔

مردود: جسے رد کر دیا گیا ہو۔ حرم: حرمت والی جگہ، خانہ کعبہ، مجازاً معزز و مقدس مقام۔

مردودِ حرم: جنھیں حرم سے دیس نکالا دیا گیا ہو۔ مراد وہ لوگ جو ظاہری رسوماتِ دینی کے پابند بے شک نہ ہوں مگر صاف باطن ہوں۔

مسند: تکیہ گاہ، بیٹھنے کی قابلِ تکریم جگہ۔ غائب: چھپا ہوا، نہاں، عدم موجود

حاضر :موجود، آگاہ ناظر: نظر ڈالنے والا، دیکھنے والا

انا الحق: میں حق ہوں، میں خدا ہوں۔ یہ ایک کلمہ ہے جس کو منصور حلاج جو ایک عارف باللہ تھے، حالت محویت و کیفیت استغراق میں کہہ اٹھتے تھے اور اسی لیے علما کے فتوے سے وہ دار پر چڑھا دیے گئے۔(۱۷)

☆☆☆☆☆

حوالے و حواشی

(۱) افتخار عارف، کلام فیض بخط فیض: مرے دل مرے مسافر، اصل بیاض۔ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)۔

(۲) فیض احمد فیض۔سارے سخن ہمارے۔(لندن: حسینز بکس(Hussain's Books)، ۱۹۸۲ء)۔

(۳) فیض احمد فیض۔نسخہ ہائے وفا۔(لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۸۴ء)۔

(۴) فیض کے مجموعے سرِ وادئ سینا میں اسی نام سے نظم متعدد مرتبہ مکمل صورت میں چھپتی رہی ہے۔نسخہ ہائے وفا میں نجانے کیوں اس نظم کے آخر سے چند مصرعے حذف کر دیے گئے۔ اس نظم کے حوالے سے 'ذکر فیض' میں مظہر جمیل لکھتے ہیں:

"فیض نے اپنی نظم 'سرِ وادیِ سینا' ٹوبہ ٹیک سنگھ کی کسان کانفرنس میں سنائی تھی۔ جس پر رجعتی پریس نے بہت شور مچایا تھا۔ فیض احمد فیض نے اپنے مجموعے سرِ وادیِ سینا مرتب کرتے ہوئے یہ پوری نظم اس میں شامل کی تھی۔ اس موقعے پر مکتبہ کارواں، لاہور کے مالک چودھری عبدالحمید نے فیض کو رائے دی کہ یہ ٹکڑا نظم سے نکال دیا جائے۔ فیض نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنا مجموعہ کلام مکتبۂ دانیال، کراچی کو اشاعت کے لیے دے دیا۔ اس کے بعد فیض صاحب کا ایک اور مجموعہ مرے دل مرے مسافر بھی مکتبۂ دانیال، کراچی نے شائع کیا تھا۔۔۔ لیکن جب فیض نے کلیات نسخہ ہائے وفا چھپوانے کا ارادہ کیا تو چودھری عبد الحمید (مکتبہ کارواں) نے کلیات چھاپنے کی ہامی بھر لی۔ جب یہ کلیات مارکیٹ میں آئی تو اس میں مذکورہ نظم کے محولہ بالا دس مصرعے پھر شامل نہ تھے۔۔۔ فیض کی توجہ جب اس طرف مبذول کرائی گئی تو ان کے لیے بھی یہ بات باعثِ حیرانگی تھی،

کیونکہ فیض نے بتایا کہ آخری پروف تک یہ سب مصرعے شامل تھے۔ ان کے بقول پبلشر موصوف نے اس نظم کے دس مصرعے ان کی اجازت کے بغیر کتاب سے نکال دیے تھے۔"

سید مظہر جمیل، ذکرِ فیض۔(کراچی، محکمہ ثقافت، سیاحت و نوادرات، حکومتِ سندھ، ۲۰۱۳ء) ۸۴۳، ۸۴۴۔

چنانچہ اصل نظم 'سرِ وادیِ سینا' کے آخری انیس (۱۹) مصرعے 'نسخہ ہائے وفا' میں نہ چھپے۔ ان میں سے بھی آخری نو (۹) مصرعے 'ہر اک اولی الامر کو صدا دو' سے لے کر 'یہیں پہ روزِ حساب ہو گا' تک، فیض پہلے ہی 'مرے دل مرے مسافر' میں نظم 'تین آوازیں' میں 'ندائے غیب' کے ذیلی عنوان سے دوبارہ شامل کر چکے تھے۔ بقیہ دس مصرعے یہ ہیں: "سنو کہ شاید یہ نورِ صیقل / ہے اس صحیفے کا حرفِ اول / جو ہر کس و ناکسِ زمیں پر / دل گدایانِ اجمعیں پر / اتر رہا ہے فلک سے اب کے / سنو کہ اس حرفِ لم یزل کے / ہمیں تمھیں بندگانِ بے بس / علیم بھی ہیں خبیر بھی ہیں / سنو کہ ہم بے زبان و بے کس / بشیر بھی ہیں نذیر بھی ہیں" [علیم، خبیر، بشیر، نذیر اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (فیض)]

(۵) فیض احمد فیض۔ نسخہ ہائے وفا۔ لاہور، مکتبہ کارواں، سن ندارد۔ یہ بھی طُرفہ تماشا ہے کہ ایک عرصے سے نسخہ ہائے وفا پر سالِ اشاعت ہی نہیں دیا جاتا۔ جلد اور کاغذ کی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایڈیشن پچھلے ایڈیشن سے مختلف ہے۔

(۶) فیض احمد فیض، کلیاتِ فیض، تدوین: نعمان الحق، (لاہور: مکتبہ کارواں، ۲۰۱۹ء)۔

(۷) ملاحظہ کیجیے: ایوب مرزا، فیض نامہ، (پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۰۲ء)۔

(۸) اشفاق حسین، فیض احمد فیض: شخصیت اور فن، (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء)، ۸۱۔۹۶، نیز ایوب مرزا، فیض نامہ، ۹۷ تا ۱۱۹۔

(۹) تفصیل کے لیے دیکھیے:

https://www.brookings.edu/articles/the-iranian-revolution-a-timeline-of-events/ (Retrieved on June 27, 2024)

https://www.britannica.com/event/Iranian-Revolution (Retrieved on June 27, 2024)

(۱۰) 'ایرانی طلبہ کے نام' مشمولہ دستِ صبا۔ نسخہ ہائے وفا، ۱۵۵۔

(۱۱) آغا ناصر، ہم جیتے جی مصروف رہے، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ۹۸ تا ۱۰۱۔

(۱۲) تفصیل کے لیے درج ذیل مضامین دیکھیے:

https://theprint.in/opinion/modi-india-unhappy-with-faizs-hum-dekhenge-zias-pakistan-was-too/343560/ (Retrieved on June 27, 2024)

https://www.dawn.com/news/1566933 (Retrieved on June 27, 2024)

(۱۳) اس تقریب کے منتظمین میں سے ایک تنویر جہاں کے مطابق جب اقبال بانو سے کہا گیا کہ فیض کی اس یادگاری تقریب

کی محفلِ موسیقی میں یہ نظم پیش کریں تو انھوں نے کہا کہ میں تو اس قسم کی صورت حال کے لیے تیار ہی نہیں ہوں۔ تب پروفیسر اسرار احمد نے موقعے پر ہی اس کی دُھن تیار کر دی۔ بلکہ اس روز کے محفلِ موسیقی کی ساری تقریب کی موسیقی پروفیسر اسرار احمد کی ترتیب دی ہوئی تھی۔ جب یہ نظم گائی گئی اور اقبال بانو ' سب تاج اچھالے جائیں گے / سب تخت گرائے جائیں گے ' کی سطروں پر پہنچیں تو لوگوں نے بے اختیار 'انقلاب زندہ باد' کے نعرے لگانے شروع کر دیے، کافی دیر یہ نعرے گونجتے رہے اور اس دوران طبلے کی سنگت بھی ڈگمگا کر مدھم پڑ گئی۔ اس محفل کی برقی صوت بندی کسی طرح محفوظ رہ گئی ہے اور اس میں صاف یہ نعرے سنے بھی جا سکتے ہیں۔ (تنویر جہاں سے راقم کی ٹیلیفونک گفتگو، بتاریخ ۲۵ جون ۲۰۲۴ء) برقی صوت بندی کے لیے دیکھیے:

https://www.youtube.com/watch?v=KkWfDzkPbv4 (Retrieved on June 27, 2024)

نیز جینیفر ڈوبرو Jennifer Dubrow کا مضمون دیکھیے: https://www.dawn.com/news/1566933

(۱۴) ملاحظہ کیجیے:

https://www.indiatoday.in/india/story/anti-caa-protests-controversy-over-hum-dekhenge-is-funny-says-faiz-s-daughter-1633705-2020-01-03 (Retrieved on June 27, 2024)

https://positionspolitics.org/eikon_2dubrow/ (Retrieved on June 27, 2024)

https://www.independenturdu.com/node/25446/ (Retrieved on June 27, 2024)

(۱۵) فیض نامہ، ۸۵-۳۸۴۔

(۱۶) مضمون میں جہاں جہاں قرآنی آیات کے حوالے آئے ہیں، ترجمے کے لیے فتح محمد جالندھری کے ترجمے کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

قرآنِ مجید، مترجم مولوی فتح محمد جالندھری، (لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۶۹ء)۔

(۱۷) امیر مینائی، امیر اللغات، جلد اول۔ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء)۔

BIBLIOGRAPHY

- Agha Nasir. *Hum Jītay Jī Masrūf Rahay*, (Sang-e Meel Publications, 2008)
- Amir Minai. *Amīr al-Lughāt*, Vol. 01. (Lahore: Sang-e Meel Publications, 1988).
- Ashfaq Hussain. *Faiz Ahmad Faiz: Shaksiat-o Fun*, (Islamabad: Academy of Letters, 2006).
- Ayub Mirza. *Faiz Nāmah*, (Patna: Khuda Bakhsh Oriental Public Library, 2002).
- Faiz Ahmad Faiz, *Nuskha Haye Wafa*, (Lahore: Maktaba Karvan, 1984)

- Faiz Ahmad Faiz, *Sāray Sukhan Hamāray*, (London: Hussain’s Books, 1982).
- Faiz Ahmad Faiz. *Kulliyat-e Faiz*, (ed.) Nouman-ul-Haq, (Lahore: Maktaba Karvan, 2019).
- Faiz Ahmad Faiz. *Nuskha Haye Wafa*. (Lahore: Maktaba Karvan, n.d).
- https://positionspolitics.org/eikon_2dubrow/ (Retrieved on June 27, 2024)
- https://theprint.in/opinion/modi-india-unhappy-with-faizs-hum-dekhenge-zias-pakistan-was-too/343560/ (Retrieved on June 27, 2024)
- https://www.britannica.com/event/Iranian-Revolution (Retrieved on June 27, 2024)
- https://www.brookings.edu/articles/the-iranian-revolution-a-timeline-of-events/ (Retrieved on June 27, 2024)
- https://www.dawn.com/news/1566933
- https://www.dawn.com/news/1566933 (Retrieved on June 27, 2024)
- https://www.independenturdu.com/node/25446/ (Retrieved on June 27, 2024)
- https://www.indiatoday.in/india/story/anti-caa-protests-controversy-over-hum-dekhenge-is-funny-says-faiz-s-daughter-1633705-2020-01-03 (Retrieved on June 27, 2024)
- https://www.youtube.com/watch?v=KkWfDzkPbv4 (Retrieved on June 27, 2024)
- Iftikhar Arif, *Kalam-e Faiz Ba Kaht-e Faiz: Meray Dil Meray Musāfir, Asl Bayaz*, (Lahore: Sang-e Meel Publications, 2011).
- *Quran*, (Translated by Fateh M. Jalandhari), (Lahore: Taj Company Ltd., 1969).
- Syed Mahzar Jameel, *Zikr-e Faiz*, (Karachi: Culture, Tourism and Antiquities and Archives Department, Govt. of Sindh, 2013).

❖❖❖